ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 436

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: سیرت طیبہ (436) • سطح: بی اے / ایسوسی ایٹ ڈگری

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1 – 5)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر بی اے سے: 40 • کامیابی کے نمبر اے ڈی سے: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ والہ کے لیے)

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر امتحانی مشق اپنے الفاظ میں لکھیں۔ کسی بھی تیار شدہ مواد کو ہو بہو نقل کرنا تعلیمی دیانت کے خلاف ہے اور یونیورسٹی کی پالیسی کے مطابق اس کے نتائج کی ذمہ داری خود طالب علم پر ہو گی۔

سوال نمبر 1: مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت اور سیرت پر کتب کی کثرت (20 نمبر)

سوال نمبر 1: مطالعہ سیرت کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے؟ نیز بتائیں کہ سیرت پر اتنی زیادہ کتابیں کیوں لکھی گئیں؟ مفصل لکھیں۔ (20)

تعارف

سیرت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے حالات، آپ کے اقوال و افعال، آپ کی تعلیمات، آپ کے اخلاق و عادات اور آپ کے اسوہ حسنہ کا مکمل مطالعہ ہے۔ لفظ سیرت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی طریقہ، چال چلن، روش اور زندگی گزارنے کے انداز کے ہیں، اور اصطلاح میں اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا وہ جامع ریکارڈ ہے جو پیدائش سے وصال تک کے تمام مراحل کو محیط ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سیرت کا مطالعہ محض تاریخی معلومات حاصل کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ ایمان کی تکمیل، عمل کی رہنمائی اور کردار کی تعمیر کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، کیونکہ قرآن مجید نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے بادشاہوں، فاتحین، فلسفیوں اور مصلحین کی زندگیاں لکھی گئی ہیں، مگر کسی شخصیت کی زندگی اس تفصیل، اس تسلسل اور اس محفوظ انداز میں محفوظ نہیں رہی جس طرح سیرت طیبہ محفوظ ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو امت کی نظروں سے اوجھل رہا ہو۔ گھر کی زندگی ہو یا بازار کی، مسجد کی محراب ہو یا میدان جنگ، دوستوں کے ساتھ سلوک ہو یا

دشمنوں کے ساتھ برتاؤ، ہر پہلو محفوظ اور ہر واقعہ مستند روایات کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مطالعہ سیرت ہر دور میں اہل علم کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے اور آج بھی اس کی اہمیت کم ہونے کے بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔

مطالعہ سیرت کی ضرورت

مطالعہ سیرت کی پہلی اور بنیادی ضرورت یہ ہے کہ قرآن مجید کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے سیرت کا علم ناگزیر ہے۔ قرآن ایک دستور اور قانون کی کتاب ہے، اور سیرت اس دستور کی عملی تفسیر ہے۔ بہت سی آیات کے پس منظر، ان کے نزول کے اسباب اور ان پر عمل کا طریقہ ہمیں سیرت ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر احکام کی عملی صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے سکھائی۔ اگر سیرت نہ ہوتی تو قرآن کے بہت سے احکام محض نظری رہ جاتے اور امت ان کی عملی شکل سے محروم رہ جاتی۔ اسی لیے علما نے فرمایا ہے کہ سنت اور سیرت قرآن کی شرح اور اس کا عملی نمونہ ہیں۔

دوسری ضرورت یہ ہے کہ انسان فطری طور پر کسی نمونے کی پیروی چاہتا ہے۔ نوجوان نسل اپنے لیے آئیڈیل تلاش کرتی ہے، اور اگر اسے سیرت طیبہ جیسا کامل نمونہ میسر نہ آئے تو وہ ادھورے اور گمراہ کن نمونوں کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ ایک انسان بیک وقت کامیاب تاجر، وفادار شوہر، شفیق باپ، انصاف پسند حکمران، بہادر سپہ سالار اور نرم دل مصلح کیسے بن سکتا ہے۔ تیسری ضرورت کردار سازی ہے، کیونکہ محض وعظ و نصیحت سے کردار نہیں بنتا، کردار زندہ مثال دیکھ کر بنتا ہے، اور سیرت سے بڑھ کر روشن مثال کوئی نہیں۔

مطالعہ سیرت کی اہمیت

مطالعہ سیرت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ایمان کو محبت میں بدل دیتا ہے۔ جب ایک مومن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف، آپ کی استقامت، آپ کی قربانیاں اور امت کے لیے آپ کی بے قراری کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے دل میں آپ سے سچی محبت پیدا ہوتی ہے، اور یہی محبت اطاعت کی بنیاد بنتی ہے۔ سیرت کا مطالعہ انسان کو مایوسی سے نکالتا ہے، کیونکہ مکہ کے مشکل دور، طائف کی تکالیف اور مدینہ کی آزمائشوں کے بعد فتح و نصرت کا سورج طلوع ہوا۔ ہر پریشان حال انسان کو سیرت سے یہ سبق ملتا ہے کہ صبر، دعا اور مسلسل کوشش کے بعد اللہ کی مدد ضرور آتی ہے۔

سماجی اور معاشرتی زندگی میں بھی سیرت کی اہمیت مسلم ہے۔ عدل و انصاف، مساوات، بھائی چارہ، عورتوں کے حقوق، بچوں کی تربیت، ہمسایوں کے حقوق، اقلیتوں کے تحفظ اور معاشی انصاف جیسے مسائل کا بہترین حل سیرت طیبہ میں موجود ہے۔ مغربی دنیا آج جن اصولوں پر فخر کرتی ہے، ان کی عملی صورت مدینہ کی ریاست میں چودہ سو سال پہلے قائم ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ سیرت کا مطالعہ امت کو فرقہ واریت اور اختلافات سے نکال کر ایک مرکز پر جمع کرتا ہے، کیونکہ تمام مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع پر متفق ہیں۔

سیرت پر اتنی زیادہ کتابیں کیوں لکھی گئیں؟

سیرت پر بے شمار کتابیں لکھے جانے کی پہلی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا جامع اور ہمہ گیر ہونا ہے۔ آپ کی زندگی کسی ایک شعبے تک محدود نہیں۔ کوئی مصنف آپ کو مصلح کی حیثیت سے دیکھتا ہے، کوئی ماہر تعلیم کی حیثیت سے، کوئی سپہ سالار، کوئی مدبر حکمران اور کوئی ماہر نفسیات کی نگاہ سے۔ ہر پہلو اتنا وسیع ہے کہ اس پر مستقل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں اور لکھی گئی ہیں۔ دوسری وجہ مسلمانوں کی آپ سے والہانہ محبت اور عقیدت ہے۔ محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کا ذکر بار بار کیا جائے، اس کی ہر ادا محفوظ کی جائے اور اس کے تذکرے سے دلوں کو سکون ملے، اسی جذبے نے ہر دور میں قلم کاروں کو سیرت لکھنے پر آمادہ کیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر دور کے اپنے مسائل اور اپنے سوالات ہوتے ہیں۔ جب کوئی نیا دور آتا ہے تو اہل علم اس دور کے سوالات لے کر سیرت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہاں سے اپنے زمانے کے لیے رہنمائی تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ سیرت کا مطالعہ کبھی پرانا نہیں ہوتا اور ہر دور میں نئی کتابیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ چوتھی وجہ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب ہے۔ جب بھی مستشرقین یا مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر اعتراضات کیے، اہل علم نے تحقیق کے ساتھ ان کا جواب دیا اور نئی کتابیں وجود میں آئیں۔ پانچویں وجہ زبانوں اور ثقافتوں کا تنوع ہے۔ اسلام دنیا بھر میں پھیلا تو ہر قوم نے اپنی زبان میں سیرت لکھنے کو سعادت سمجھا، چنانچہ عربی، فارسی، اردو، ترکی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں سیرت کا عظیم ذخیرہ جمع ہو گیا۔

چھٹی وجہ یہ بھی ہے کہ سیرت کا مواد خود بہت محفوظ اور مستند ہے۔ صحابہ کرام نے آپ کی ہر بات اور ہر عمل کو امانت کے ساتھ محفوظ کیا، تابعین اور محدثین نے اسے آگے پہنچایا، اور راویوں کے حالات تک محفوظ رکھے گئے۔ جب مواد اتنا وافر اور مستند ہو تو اس پر کام کرنے والوں کے لیے راستے کھل جاتے ہیں۔ ساتویں وجہ بچوں، نوجوانوں، خواتین اور عام قارئین کی الگ الگ ضرورت ہے۔ ہر طبقے کے لیے اس کی ذہنی سطح کے مطابق کتابیں لکھی گئیں۔ اس کے علاوہ جدید دور میں سیرت کانفرنسیں، مقابلے، نصابی ضروریات اور تحقیقی اداروں نے بھی سیرت نگاری کو نئی تحریک دی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مطالعہ سیرت ایک مسلمان کی دینی، اخلاقی اور عملی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہ قرآن کو سمجھنے کی کنجی، ایمان کو محبت میں بدلنے کا ذریعہ، کردار سازی کا بہترین نسخہ اور ہر دور کے مسائل کا حل ہے۔ سیرت پر اتنی زیادہ کتابوں کا لکھا جانا دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی جامعیت، امت کی محبت، مواد کی حفاظت اور ہر دور کی نئی ضرورتوں کا فطری نتیجہ ہے۔ ایک طالب علم کو چاہیے کہ وہ سیرت کا مطالعہ محض امتحان کی تیاری کے لیے نہ کرے بلکہ اسے اپنی زندگی بدلنے کے ارادے سے پڑھے، کیونکہ سیرت کا اصل مقصد معلومات نہیں بلکہ عمل اور اتباع ہے۔

سوال نمبر2: وحی کے آغاز کا واقعہ اور وحی کی ضرورت واہمیت (20نمبر)

سوال نمبر2: وحی کے آغاز کا واقعہ اور وحی کی ضرورت واہمیت تفصیل سے لکھیں۔(20)

تعارف

وحی اسلام کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید، نبوت اور پورا دین وحی ہی کے ذریعے انسانوں تک پہنچا ہے۔ وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ خاص کلام اور پیغام ہے جو اس نے اپنے منتخب بندوں یعنی انبیا علیہم السلام پر نازل فرمایا، تاکہ وہ اسے انسانوں تک پہنچائیں اور انسانیت کو ہدایت کا راستہ ملے۔ عقل، تجربہ اور مشاہدہ انسان کو بہت کچھ سکھاتے ہیں، مگر زندگی کا مقصد، موت کے بعد کی زندگی، حلال و حرام کی حدود اور عبادت کا صحیح طریقہ جیسی باتیں صرف عقل سے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ انہی سوالات کا جواب وحی دیتی ہے۔ اسی لیے وحی کے آغاز کا واقعہ انسانی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ آپ اس سے پہلے بھی سچائی، امانت اور پاکیزہ کردار کی وجہ سے پورے مکہ میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ بت پرستی، شراب، جھوٹ اور معاشرے کی برائیوں سے ہمیشہ دور رہے۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی، آپ کے دل میں خلوت اور غور و فکر کی رغبت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ آپ غار حرا میں کئی کئی دن تنہا عبادت اور تفکر میں گزارنے لگے۔ یہ تنہائی دراصل اس عظیم ذمہ داری کی تیاری تھی جو عنقریب آپ کے سپرد ہونے والی تھی۔

وحی کے آغاز سے پہلے کے حالات

وحی کے آغاز سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی طرح سے تیار فرمایا۔ سب سے پہلے آپ کو سچے خواب آنے لگے۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ اسی طرح پورا ہوتا جس طرح دیکھا ہوتا، جیسے صبح کی روشنی صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا قلب مبارک وحی کی عظیم حقیقت کو قبول کرنے کے لیے بتدریج آمادہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ آپ کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ مکہ سے تقریباً تین میل دور جبل نور کی غار حرا آپ کی خلوت گاہ بن گئی۔ آپ کھانا اور پانی ساتھ لے جاتے اور کئی راتیں وہاں قیام فرماتے۔

غار حرا کی یہ خلوت محض دنیا سے کٹ جانا نہیں تھی بلکہ یہ کائنات کے خالق کے بارے میں غور و فکر، انسانیت کی گمراہی پر تدبر اور حق کی تلاش کا دور تھا۔ اس زمانے میں عرب معاشرہ بت پرستی، قبائلی تعصب، سود، ظلم اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک حساس اور پاکیزہ دل ان حالات کو دیکھ کر بے چین رہتا تھا۔ وحی کے آغاز سے پہلے کی یہ تیاری ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ بڑے مقاصد کے لیے خلوت، غور و فکر اور روحانی تیاری ضروری ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ذمہ داری دینے سے پہلے ان کی تربیت فرماتا ہے۔

وحی کے آغاز کا واقعہ

مشہور روایت کے مطابق رمضان المبارک کی ایک رات غار حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: پڑھیے۔ آپ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے آپ کو اپنے ساتھ لگایا اور زور سے بھینچا، پھر چھوڑ کر دوبارہ کہا: پڑھیے۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ بھینچنے کے بعد فرشتے نے سورۃ العلق کی ابتدائی آیات پڑھیں جن کا مفہوم ہے: اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ واقعہ اتنا عظیم اور ہیبت ناک تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو قلب مبارک پر لرزہ طاری تھا۔ آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ۔ جب سکون ہوا تو آپ نے پورا واقعہ سنایا اور اپنے اندیشے کا اظہار فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس دانائی اور محبت سے آپ کو تسلی دی وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان کی عزت کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو اہل کتاب کے عالم تھے۔ انہوں نے تصدیق کی کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اور پیش گوئی کی کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔

اس واقعے کے بعد وحی کچھ عرصہ رک گئی جسے فترت وحی کہتے ہیں۔ یہ وقفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتظار اور اشتیاق کا دور تھا۔ پھر وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا اور تیئیس سال تک جاری رہا، جن میں مکمل قرآن مجید نازل ہوا۔ وحی کی مختلف صورتیں تھیں۔ کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح، کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آ کر کلام کرتا، کبھی اللہ تعالیٰ براہ راست کلام فرماتا جیسے معراج کے موقع پر ہوا، اور کبھی سچے خواب کے ذریعے رہنمائی ملتی۔ سردی کے دنوں میں بھی وحی کے وقت آپ کے ماتھے مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکتے، جس سے وحی کی عظمت اور اس بوجھ کا اندازہ ہوتا ہے جسے قرآن نے بھاری قول قرار دیا ہے۔

وحی کی ضرورت

وحی کی ضرورت انسانی عقل کی حدود سے سمجھ میں آتی ہے۔ عقل ایک عظیم نعمت ہے مگر اس کا دائرہ محدود ہے۔ عقل سے ہم یہ تو جان سکتے ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے، مگر یہ نہیں جان سکتے کہ وہ خالق ہم سے کیا چاہتا ہے، اس کی رضا کس چیز میں ہے، مرنے کے بعد کیا ہو گا اور اچھے برے کی آخری کسوٹی کیا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب کے بغیر انسانی زندگی بے مقصد رہ جاتی ہے۔ اگر وحی نہ ہوتی تو ہر انسان اپنے اندازے سے دین گھڑتا اور دنیا میں ہزاروں متضاد راستے بن جاتے۔ وحی نے اس انتشار کو ختم کر کے انسانیت کو ایک واضح اور محفوظ راستہ عطا کیا۔

وحی کی ضرورت کا ایک پہلو اخلاقی رہنمائی ہے۔ انسان کے اندر نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت ہے۔ صرف مادی ترقی اخلاق کی ضمانت نہیں دیتی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب جب انسان نے وحی کی رہنمائی چھوڑی، وہ ترقی کے باوجود ظلم، استحصال اور بے چینی کا شکار ہوا۔ وحی انسان کو بتاتی ہے کہ طاقت کے ساتھ انصاف کیسے ہو، دولت کے ساتھ سخاوت کیسے ہو اور علم کے ساتھ عاجزی کیسے ہو۔ اس کے علاوہ وحی انسان کو زندگی کا مقصد دیتی ہے۔ مقصد کے بغیر زندگی بے سمت سفر ہے۔ وحی بتاتی ہے کہ انسان خلیفہ ہے، یہ دنیا امتحان ہے اور آخرت اصل منزل ہے۔ یہ تصور انسان کی پوری زندگی کو منظم اور بامعنی بنا دیتا ہے۔

وحی کی اہمیت

وحی کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اسی کے ذریعے توحید کی خالص تعلیم ملی، شرک اور بت پرستی کا خاتمہ ہوا، اور انسان کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت ملی۔ وحی ہی نے انسان کو انسان کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کیا۔ وحی نے معاشرے کو عدل، مساوات اور بھائی چارے کے اصول دیے۔ کمزوروں، یتیموں، عورتوں اور غلاموں کو حقوق ملے۔ وحی نے علم کی اہمیت کو اجاگر کیا، چنانچہ پہلی وحی کا آغاز ہی لفظ اقرا یعنی پڑھ سے ہوا اور قلم کا ذکر ہوا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی بنیاد علم پر ہے اور جہالت کا خاتمہ اس کا پہلا ہدف ہے۔

آج کے دور میں بھی وحی کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ جدید انسان مادی آسائشوں کے باوجود ذہنی بے چینی، خاندانی انتشار اور اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ وحی کی رہنمائی سے دوری ہے۔ سیرت اور قرآن کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ سکون مادے میں نہیں بلکہ مقصد، ایمان اور اچھے عمل میں ہے۔ وحی انسان کو ماضی سے جوڑتی ہے، حال کی رہنمائی کرتی ہے اور مستقبل یعنی آخرت کی تیاری کراتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کا مطالعہ اور اس پر عمل ہر مسلمان کی زندگی کا محور ہونا چاہیے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ غار حرا میں وحی کا آغاز انسانی تاریخ کا وہ موڑ ہے جہاں سے جہالت کے اندھیروں میں ہدایت کا چراغ روشن ہوا۔ پہلی وحی نے علم، قلم اور رب کی ربوبیت کو بنیاد بنایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تسلی اور ورقہ بن نوفل کی تصدیق اس واقعے کے اہم پہلو ہیں۔ وحی کی ضرورت اس لیے ہے کہ عقل تنہا زندگی کے بڑے سوالات کا جواب نہیں دے سکتی، اور اس کی اہمیت اس لیے ہے کہ اسی سے توحید، اخلاق، انصاف اور زندگی کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ جو قوم وحی سے جڑی رہتی ہے، ہر دور میں سربلند رہتی ہے۔

سوال نمبر 3: ہجرت مدینہ کا واقعہ (20 نمبر)

سوال نمبر 3: ہجرت مدینہ کا پورا واقعہ تفصیل سے لکھیں۔ (20)

تعارف

ہجرت مدینہ اسلام کی تاریخ کا فیصلہ کن واقعہ ہے۔ ہجرت سے مراد اللہ کی رضا کے لیے اپنا وطن، گھر بار اور مال و اسباب چھوڑ کر کسی ایسی جگہ منتقل ہو جانا ہے جہاں دین پر عمل آزادی سے ممکن ہو۔ مکہ میں تیرہ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے دعوت کا کام کیا، مگر قریش کی مخالفت ظلم و ستم کی حد تک بڑھ گئی۔ مسلمانوں کو ستایا گیا، ان کا معاشی بائیکاٹ کیا گیا اور انہیں عبادت تک کی آزادی نہ تھی۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت اور حکم دیا، اور یہی ہجرت بعد میں اسلامی ریاست، اسلامی معاشرے اور اسلامی کیلنڈر کی بنیاد بنی۔

ہجرت محض ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عظیم قربانی، ایک حکمت عملی اور ایک نئے عہد کی ابتدا ہے۔ اس میں ایمان کی پختگی بھی ہے، تدبیر اور منصوبہ بندی بھی، توکل بھی ہے اور اسباب اختیار کرنے کا سبق بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اسلامی کیلنڈر کا آغاز کرنے کا فیصلہ ہوا تو ہجرت ہی کو اس کی بنیاد بنایا گیا، کیونکہ ہجرت نے حق و باطل کے درمیان واضح لکیر کھینچ دی تھی اور اسلام ایک عملی نظام کی صورت میں سامنے آنے لگا تھا۔

ہجرت کے اسباب اور پس منظر

ہجرت کے اسباب میں سب سے بڑا سبب قریش مکہ کا ظلم و ستم تھا۔ مسلمانوں پر جسمانی اذیتیں دی گئیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تپتی ریت پر لٹایا گیا، حضرت عمار اور ان کے والدین کو شہید کیا گیا، اور شعب ابی طالب میں تین سال تک مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا جس میں کھانے پینے کی اشیا تک بند کر دی گئیں۔ عام الحزن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد مخالفت مزید بڑھ گئی۔ طائف کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارے گئے۔ ان حالات میں مکہ میں دعوت کا کام تقریباً رک گیا تھا اور مسلمانوں کی جان و ایمان دونوں خطرے میں تھے۔

دوسری طرف مدینہ سے امید کی کرن نمودار ہوئی۔ حج کے موقع پر مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور پھر بیعت عقبہ ثانیہ میں بچھتر افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور مدد کا عہد کیا۔ مدینہ کے لوگ آپس کی خانہ جنگیوں سے تنگ آ چکے تھے اور ایک منصف اور رہنما کے منتظر تھے۔ یوں مدینہ دعوت کے نئے مرکز کے طور پر تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمان آہستہ آہستہ اور خاموشی سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ وہ اپنے گھر اور جائیدادیں چھوڑ کر خالی ہاتھ نکلے، جو ایمان کی عظیم مثال ہے۔

ہجرت کا واقعہ اور سفر کی تفصیل

جب بیشتر مسلمان مدینہ جا چکے تو قریش نے دارالندوہ میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ ہر قبیلے سے ایک نوجوان مل کر ایک ساتھ حملہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے، تاکہ خون کا بدلہ کسی ایک قبیلے سے نہ لیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور ہجرت کی اجازت دے دی۔ رات کو نوجوان آپ کے مکان کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا، ان کے پاس لوگوں کی امانتیں تھیں، آپ نے ہدایت کی کہ یہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے مدینہ آ جائیں۔ یہ واقعہ آپ کی امانت داری کی روشن دلیل ہے کہ دشمنی کے باوجود امانت میں خیانت نہیں کی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ یٰس کی ابتدائی آیات تلاوت کرتے ہوئے دشمنوں کے درمیان سے نکل گئے اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے جو اس سفر کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ دونوں حضرات رات کے وقت مکہ سے نکلے اور مدینہ کی مخالف سمت میں جبل ثور کی غار میں تین راتیں قیام کیا تاکہ تلاش کرنے والے مایوس ہو جائیں۔ حضرت ابو بکر کے بیٹے حضرت عبداللہ دن کی خبریں پہنچاتے، بیٹی حضرت اسماء کھانا لے کر آتیں اور ایک چرواہا عامر بن فہیرہ نشانات مٹانے کے لیے بکریاں چراتا۔ یہ مکمل منصوبہ بندی، رازداری اور تدبیر کا بہترین نمونہ ہے۔

قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری پر سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا۔ سراقہ بن مالک اسی لالچ میں پیچھا کرتے ہوئے قریب پہنچ گیا، مگر اس کے گھوڑے کے پاؤں ریت میں دھنس گئے اور اس نے معافی مانگ کر واپسی اختیار کی۔ راستے میں ام معبد کے خیمے کا مشہور واقعہ پیش آیا جہاں کمزور بکری نے آپ کی برکت سے دودھ دیا۔ آٹھ دن کے سفر کے بعد آپ قبا پہنچے، وہاں چند دن قیام کیا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی جو اسلام کی پہلی مسجد ہے۔ پھر جمعہ کے دن مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں بنو سالم کے محلے میں پہلا جمعہ ادا کیا، اور مدینہ میں انصار نے والہانہ استقبال کیا۔ ہر گھرانہ چاہتا تھا کہ آپ اس کے ہاں قیام فرمائیں، مگر آپ نے فرمایا کہ اونٹنی کو چھوڑ دو، جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھے گی وہی جگہ منزل ہو گی۔ اونٹنی اس جگہ بیٹھی جہاں آج مسجد نبوی ہے، اور آپ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ہوئے۔

ہجرت کے نتائج اور اثرات

ہجرت کے نتیجے میں مسلمانوں کو پہلی بار ایک محفوظ مرکز مل گیا جہاں وہ آزادی سے عبادت کر سکتے تھے اور اپنے دینی معاشرتی نظام کو قائم کر سکتے تھے۔ مدینہ میں مسجد نبوی تعمیر ہوئی جو عبادت، تعلیم اور مشاورت کا مرکز بنی۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارے کا رشتہ قائم ہوا جس نے دنیا کو اخوت کی بے مثال مثال دی۔ انصار نے اپنے مال، گھر اور کاروبار میں مہاجرین کو شریک کیا۔ میثاق مدینہ کے ذریعے مختلف قبائل اور یہودیوں کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ ہوا جسے دنیا کا پہلا تحریری دستور کہا جاتا ہے۔

ہجرت نے اسلام کو ایک انفرادی عقیدے سے نکال کر ایک مکمل اجتماعی نظام کی صورت دی۔ اب نماز کے ساتھ نظام عدل، معیشت، دفاع اور خارجہ تعلقات کی بنیادیں پڑنے لگیں۔ ہجرت سے ہمیں کئی اسباق ملتے ہیں۔ پہلا سبق یہ کہ دین کے لیے قربانی دینا پڑے تو گھر بار چھوڑنا بھی سعادت ہے۔ دوسرا سبق یہ کہ توکل کا مطلب اسباب چھوڑنا نہیں بلکہ مکمل تدبیر کے بعد اللہ پر بھروسا کرنا ہے۔ تیسرا سبق رازداری، منصوبہ بندی اور اہل افراد کا انتخاب ہے۔ چوتھا سبق یہ کہ مایوسی کبھی راستہ نہیں روکتی، مشکل ترین رات کے بعد بھی نئی صبح طلوع ہوتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت مدینہ محض ایک سفر نہیں بلکہ ایمان، قربانی، تدبیر اور توکل کا جامع مجموعہ ہے۔ مکہ کے ظلم سے نکل کر مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی، اور یہیں سے اسلام کی عالمگیر دعوت کا نیا دور شروع ہوا۔ آج بھی ہجرت ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ برائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف آنا، گناہوں سے ہجرت کرنا اور اللہ کی رضا کے لیے ہر قربانی دینا ہی دراصل ہجرت کی روح ہے۔ ایک سچا مسلمان اپنی زندگی میں اسی روح کو زندہ رکھتا ہے۔

سوال نمبر 4: صلح حدیبیہ، بیعت رضوان اور فتح مبین (20 نمبر)

سوال نمبر 4: صلح حدیبیہ کا پس منظر، بیعت رضوان اور معاہدے کی شرطیں تفصیل سے لکھیں۔ نیز یہ بتائیں کہ اسے فتح مبین کیوں کہا گیا؟ (20)

تعارف

صلح حدیبیہ اسلامی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ یہ واقعہ چھ ہجری میں پیش آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرے کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بظاہر یہ ایک ایسا معاہدہ تھا جس کی بعض شرطیں مسلمانوں کے لیے سخت محسوس ہوئیں، حتیٰ کہ بڑے بڑے صحابہ بھی دل گرفتہ ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے اسی صلح کو سورۃ الفتح میں فتح مبین یعنی کھلی فتح قرار دیا۔ وقت نے ثابت کیا کہ یہ صلح ہی فتح مکہ، جزیرہ عرب میں اسلام کی تیز رفتار اشاعت کی بنیاد بنی۔ اس واقعے میں دور اندیشی، صبر، مشاورت اور اصولوں پر ثابت قدمی کے عظیم اسباق پوشیدہ ہیں۔

حدیبیہ مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایک کنواں تھا۔ یہی مقام اس تاریخی معاہدے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے مشہور ہو گیا۔ اس واقعے کو سمجھنے کے لیے اس کا پس منظر جاننا ضروری ہے، کیونکہ پس منظر کے بغیر نہ بیعت رضوان کی اہمیت سمجھ آتی ہے اور نہ ہی معاہدے کی شرطوں کی حکمت۔ ہجرت کے بعد مدینہ اور مکہ کے درمیان بدر، احد اور احزاب کی جنگیں ہو چکی تھیں اور دونوں فریق ایک دوسرے کی طاقت کو آزما چکے تھے۔ اس پس منظر میں امن کی کوشش ایک نئی اور فیصلہ کن تبدیلی تھی۔

صلح حدیبیہ کا پس منظر

چھ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ امن و سکون سے مسجد حرام میں داخل ہوئے، عمرہ ادا کیا، بعض نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کتروائے۔ نبی کا خواب وحی کی ایک قسم ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے عمرے کا اعلان فرمایا۔ آپ کے ساتھ تقریباً چودہ سو صحابہ روانہ ہوئے۔ سب احرام باندھے ہوئے تھے، ساتھ قربانی کے جانور تھے اور تلواروں کے سوا کوئی اسلحہ نہ تھا، تاکہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ مقصد جنگ نہیں بلکہ صرف عبادت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بھی پیغام بھیجا کہ ہمارا مقصد لڑائی نہیں ہے۔

جب قریش کو آپ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے قسم کھائی کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، حالانکہ عرب روایات کے مطابق کسی کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ قریش نے خالد بن ولید کی قیادت میں ایک دستہ آگے بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ بدل کر حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہاں آپ کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا وہ اڑ گئی ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کی یہ عادت نہیں بلکہ اسے اسی ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا، یعنی اللہ کی حکمت یہ ہے کہ یہاں قیام ہو اور جنگ نہ ہو۔ اس کے بعد سفارتی

رابطوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ بدیل بن ورقاء، عروہ بن مسعود ثقفی اور دیگر نمائندے آئے۔ عروہ نے صحابہ کی آپ سے محبت اور اطاعت دیکھ کر قریش کو رپورٹ دی کہ ایسے ساتھیوں والا شخص کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔

بیعت رضوان

اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا تاکہ وہ قریش کو بتائیں کہ مسلمان صرف عمرے کے لیے آئے ہیں۔ حضرت عثمان کو مکہ میں روک لیا گیا اور یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ یہ خبر مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے بیٹھے اور صحابہ سے بیعت لی کہ وہ میدان سے نہیں بھاگیں گے اور آخری دم تک مقابلہ کریں گے۔ تمام صحابہ نے جوش و ایمان سے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

اسی بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں ان مومنوں سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، اللہ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی، ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں قریبی فتح عطا کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس بیعت میں شریک صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی اور ان کے بارے میں بشارت دی گئی کہ آگ ان میں سے کسی کو نہیں چھوئے گی سوائے اس کے جس کا معاملہ الگ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی، مگر بیعت نے مسلمانوں کے عزم، اتحاد اور قیادت پر اعتماد کو دنیا پر ظاہر کر دیا اور یہی دباؤ صلح کی راہ ہموار کرنے کا سبب بنا۔

معاہدے کی شرطیں

قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور طویل گفت و شنید کے بعد معاہدہ طے پایا۔ معاہدے کی اہم شرطیں یہ تھیں۔ پہلی شرط یہ کہ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس جائیں گے اور اگلے سال آ کر تین دن مکہ میں قیام کر کے عمرہ ادا کریں گے، اس وقت مکہ والے شہر خالی کر دیں گے۔ دوسری شرط یہ کہ دس سال تک دونوں فریقوں کے درمیان جنگ نہیں ہو گی اور امن قائم رہے گا۔ تیسری شرط یہ کہ عرب قبائل میں سے جو چاہے مسلمانوں کے معاہدے میں شامل ہو جائے اور جو چاہے قریش کے معاہدے میں شامل ہو۔ چوتھی شرط مسلمانوں کے لیے سب سے سخت تھی کہ مکہ سے جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آئے گا اسے واپس کر دیا جائے گا، مگر مدینہ سے جو شخص مرتد ہو کر مکہ جائے گا اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

معاہدہ لکھتے وقت بھی کئی واقعات پیش آئے۔ جب بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا گیا تو سہیل نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہمارے معروف طریقے سے باسمک اللھم لکھو۔ جب محمد رسول اللہ لکھا گیا تو اس نے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو جھگڑا ہی نہ ہوتا، محمد بن عبد اللہ لکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں قبول فرما لیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے میں ہچکچاہٹ ہوئی تو

آپ نے خود نشان دہی کر کے الفاظ مٹائے۔ اسی دوران سہیل کا اپنا بیٹا ابو جندل زنجیروں میں جکڑا ہوا آ گیا اور فریاد کرنے لگا، مگر معاہدے کی پاسداری میں آپ نے اسے واپس کر دیا۔ یہ منظر صحابہ کے لیے بہت تکلیف دہ تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ اللہ اس کے لیے راستہ بنائے گا۔

اسے فتح مبین کیوں کہا گیا؟

بظاہر یہ معاہدہ مسلمانوں کی پسپائی لگتا تھا۔ عمرہ کیے بغیر واپسی، سخت شرائط اور ابو جندل کی واپسی نے صحابہ کو غمگین کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے بھی اضطراب کا اظہار کیا، مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ واپسی کے سفر میں سورۃ الفتح نازل ہوئی جس کی پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی۔ اسی لیے اس صلح کو فتح مبین کہا گیا، اور وقت نے اس کی حقیقت ثابت کر دی۔

اسے فتح کہنے کی وجوہات واضح ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ قریش نے پہلی بار اسلامی ریاست کو ایک برابر کی طاقت تسلیم کیا اور اس کے سربراہ سے باقاعدہ معاہدہ کیا، جو اس کی سیاسی فتح تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ دس سال کے امن نے مسلمانوں کو دعوت کے لیے محفوظ ماحول دیا۔ لوگ آزادی سے آ جا سکتے تھے، اسلام کی تعلیمات سن سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے دو سالوں میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ پچھلے انیس سالوں سے زیادہ تھے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسی شخصیات اسی دور میں اسلام لائیں۔ تیسری وجہ یہ کہ قبائل کو آزادی ملنے سے بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بنے اور یہی اتحاد بعد میں فتح مکہ کا سبب بنا، کیونکہ قریش نے معاہدہ توڑ کر بنو خزاعہ پر حملے میں اپنے حلیفوں کی مدد کی۔ چوتھی وجہ یہ کہ مسلمانوں کی توجہ اب جزیرہ عرب سے باہر کی طرف مبذول ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کو دعوتی خطوط بھیجے۔ یوں حدیبیہ کی صلح نے اسلام کو مقامی مسئلے سے نکال کر عالمی دعوت بنا دیا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ صبر، دور اندیشی اور اصولوں کی پاسداری کا عظیم سبق ہے۔ بیعت رضوان صحابہ کے ایمان اور قیادت پر اعتماد کی روشن مثال ہے۔ معاہدے کی بظاہر سخت شرطیں درحقیقت مسلمانوں کے حق میں نعمت ثابت ہوئیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین قرار دیا۔ اس واقعے سے ہمیں سیکھنا چاہیے کہ اصل کامیابی وقتی جذبات سے نہیں بلکہ صبر، حکمت اور اللہ پر توکل سے ملتی ہے، اور قیادت کا درست فیصلہ کبھی کبھی وقت گزرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔

سوال نمبر 5: حجۃ الوداع اور خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات (20 نمبر)

سوال نمبر 5: حجۃ الوداع کی تفصیل لکھتے ہوئے خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات واضح کریں۔ (20)

تعارف

حجۃ الوداع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واحد اور آخری حج ہے جو آپ نے دس ہجری میں ادا فرمایا۔ اسے حجۃ الوداع اس لیے کہتے ہیں کہ اسی موقع پر آپ نے امت سے الوداعی انداز میں خطاب فرمایا اور اس کے چند ماہ بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ اس حج کو حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں آپ نے دین کی تمام اہم تعلیمات کو آخری اور جامع صورت میں امت کے سامنے رکھ دیا، حج کے تمام مناسک عملاً سکھائے اور وہ عظیم خطبہ ارشاد فرمایا جسے انسانی حقوق کا پہلا جامع منشور قرار دیا جاتا ہے۔

فتح مکہ کے بعد اسلام جزیرہ عرب میں غالب ہو چکا تھا۔ نو ہجری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا اور مشرکین کے حج سے متعلق احکام کا اعلان ہوا۔ دس ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج کا ارادہ فرمایا اور مدینہ میں اعلان کر دیا گیا۔ یہ خبر پھیلتے ہی ہزاروں مسلمان مدینہ پہنچ گئے۔ روایات میں اس مجمع کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ یہ اجتماع اس بات کا ثبوت تھا کہ دعوت اسلام کامیابی کی منزل کو پہنچ چکی ہے اور اب امت کو آخری جامع ہدایات ملنے والی ہیں۔

حجۃ الوداع کی تفصیل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ کے آخر میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ کے مقام سے احرام باندھا اور صحابہ کو حج کے طریقے سکھاتے ہوئے مکہ کی طرف سفر کیا۔ راستے میں آپ نماز، ذکر اور تلاوت کی تعلیم دیتے رہے۔ چار ذوالحجہ کو آپ مکہ پہنچے، بیت اللہ کا طواف کیا، صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی اور صحابہ کو مناسک کی عملی تربیت دی۔ آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے، نو ذوالحجہ کی صبح عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو، شاید اس سال کے بعد میں تم سے نہ مل سکوں۔ یہ جملہ ہی اس حج کے الوداعی ہونے کی طرف واضح اشارہ تھا۔

نو ذوالحجہ کو میدان عرفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جو انسانیت کے لیے ہمیشہ کا دستور ہے۔ اسی دن سورۃ المائدہ کی وہ آیت نازل ہوئی جس کا مفہوم ہے کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔ اس آیت کے نزول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے، کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ تکمیل دین کے بعد اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کا وقت قریب ہے۔ عرفات سے مغرب کے بعد مزدلفہ تشریف لے گئے، وہاں رات گزاری، دس ذوالحجہ کو منیٰ میں رمی کی، قربانی دی، سر منڈوایا اور مکہ جا کر طواف افاضہ کیا۔ ایام تشریق منیٰ میں گزارے اور پھر مدینہ واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں غدیر خم کے مقام پر بھی آپ نے اہم ارشادات فرمائے۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات: جان، مال اور عزت کا تحفظ

خطبہ حجۃ الوداع کا سب سے پہلا اور بنیادی نکتہ انسان کی جان، مال اور عزت کی حرمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے۔ اس ایک جملے میں انسانی جان کی قیمت، ناجائز قتل کی ممانعت، چوری، ڈاکے اور دھوکے کی حرمت اور عزت پر حملے کی پابندی بیان کر دی گئی۔ آج دنیا انسانی حقوق کا دعویٰ کرتی ہے، مگر یہ اعلان چودہ سو سال پہلے ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں کے سامنے میدان عرفات میں کیا گیا تھا، اور اس کی بنیاد قانون کے خوف پر نہیں بلکہ اللہ کے خوف اور آخرت کے احتساب پر رکھی گئی تھی۔

اسی خطبے میں آپ نے جاہلیت کے تمام نظام کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ فرمایا کہ جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں تلے ہیں۔ جاہلیت کے خون کے بدلے ختم کر دیے گئے، اور سب سے پہلے آپ نے اپنے خاندان کے ایک خون کا بدلہ معاف کرنے کا اعلان کیا۔ جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس کے سود کو ختم کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اصلاح کا آغاز اپنے گھر اور اپنے خاندان سے کیا جاتا ہے، اور قانون سب کے لیے برابر ہوتا ہے۔ سود کی ممانعت معاشی استحصال کے خاتمے کا اعلان تھی جس سے غریب کو قرض کے جال سے نجات کا راستہ ملا۔

خطبہ کے دیگر اہم نکات

خطبے کا ایک اہم نکتہ عورتوں کے حقوق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تمہارا ان پر حق ہے اور ان کا تم پر حق ہے۔ اس زمانے میں عورت کو حقیر سمجھا جاتا تھا، اس اعلان نے اسے عزت، تحفظ اور حقوق کا مستحق قرار دیا۔ ازدواجی زندگی کو ظلم کے بجائے معروف یعنی بھلائی اور حسن سلوک پر قائم کرنے کی ہدایت کی گئی۔ اسی طرح امانتوں کی واپسی کا حکم دیا گیا کہ جس کے پاس کسی کی امانت ہو وہ اسے اس کے مالک تک پہنچائے۔ یہ معاشرتی اعتماد کی بنیاد ہے۔

خطبے میں نسل، رنگ اور قبیلے کی بنیاد پر برتری کو ختم کیا گیا۔ فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ یہ مساوات کا عالمی اعلان تھا جس نے نسلی امتیاز کی جڑ کاٹ دی۔ اسی خطبے میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ اللہ کی کتاب ہے۔ بعض روایات میں سنت اور اہل بیت کا ذکر بھی آیا ہے۔ آپ نے بار بار پوچھا کہ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ نے گواہی دی کہ آپ نے پہنچا دیا، امانت ادا کر دی اور خیر خواہی فرمائی۔ تب آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا: اے اللہ گواہ رہ۔ آخر میں حکم دیا کہ حاضرین یہ باتیں ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں۔

خطبے کی اہمیت اور عصر حاضر میں اس کی رہنمائی

خطبہ حجۃ الوداع محض ایک تقریر نہیں بلکہ ایک مکمل دستور حیات ہے۔ اس میں عقیدہ بھی ہے، اخلاق بھی، قانون بھی اور سماجی انصاف بھی۔ اس خطبے نے بادشاہ اور رعایا، امیر اور غریب، مرد اور عورت سب کو ایک ہی دائرے میں لا کھڑا کیا اور یہ اصول دیا کہ عزت کا معیار دولت، نسل یا طاقت نہیں بلکہ تقویٰ اور اچھا عمل ہے۔ آج جب دنیا نسلی تعصب، عورتوں پر ظلم، سود پر مبنی معیشت اور انسانی جان کی بے قدری جیسے مسائل سے دوچار ہے، اس خطبے کی رہنمائی پہلے سے زیادہ اہم ہو گئی ہے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلان سے صدیوں پہلے یہ خطبہ انسانیت کو وہ اصول دے چکا تھا جن پر ایک پر امن معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔

اس خطبے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ہر مسلمان کو مبلغ بنا دیتا ہے۔ حاضر کو غائب تک بات پہنچانے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ دین کی دعوت صرف علما کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر سننے والے کی امانت ہے۔ اسی طرح خطبے میں آخرت کے احتساب کی یاد دہانی کرائی گئی کہ تم اپنے رب سے ملنے والے ہو اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ یہ یاد دہانی قانون کی اصل روح ہے، کیونکہ جس معاشرے میں اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس زندہ ہو وہاں پولیس اور عدالت کی ضرورت کم ہو جاتی ہے اور انسان خود اپنا نگران بن جاتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حجۃ الوداع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری جامع درس تھا۔ اس میں آپ نے مناسک حج سکھائے، دین کی تکمیل کا اعلان سنایا اور خطبے کے ذریعے انسانیت کو جان، مال اور عزت کے تحفظ، سود اور جاہلیت کے خاتمے، عورتوں کے حقوق، امانت داری اور انسانی مساوات کا ابدی منشور عطا فرمایا۔ یہ خطبہ ہر مسلمان کے لیے آئینہ ہے۔ اگر آج کی مسلم امت اس خطبے کے نکات کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کر لے تو اس کی بیشتر مشکلات خود بخود حل ہو سکتی ہیں۔